بانگ درا: اقبال کے سوالات اور فارسی اشعار سے جوابات

وحید الزمان طارق

Abstract:

Iqbal had established himself as a Persian poet and had published three books in Persian. He made a turn to Urdu language and brought his book Bang e Dera. That was not all of a sudden. He has already compiled his poems and published in different journals and recited at different occasions. He had set higher standards for his poetry and he had become famous for his earler Persian poetry, which was being translated in England.

Bang e Dera had an evolutionary value, as it was arranged in three chronological divisions; before, during and after his stay in England and Germany. One may see a gradual change in his poetic skills, maturity of language and maturity of thoughts. Iqbal has diverted from translations and poetry of nature and features towards philosophy, morality, character building and synthesis of his political views.

The language was heavily Persianized and raised questions, for which he provided answers from the verses of his predecessor Persian poets. With the passage of time, he was studying Persian poetry in depth and was inclined to the poets who have dealt with metaphysics and humainities. His inquisitive mind sought solution of dilemmas and he found many answers in the classical Persian poetry. They included Saadi, Hafiz, Faizi, Neziri, Urfi, Abu Talib Kalim and Anisi Shamlu. Iqbal was in touch with Akbar Alahabadi and in the end of the book, he shares his sense of humour with Akbar.

He was more interested in continuous poem; some of them being chains of ghalgs.

The book dealt with a variety of subjects. It has inquisitiveness, dialogues and monologues. The topics were similar to those of Peyam e Mashreq, which was compiled during the same days. The objects and forces of nature speak and the nature is depicted in the best possible way.

Bang e Dera also introduced the poetry written in English in Urdu translation. It was at times verse by verse, sometimes with more informal way and skipped some verses. His songs for Indian nation and Muslim universal nationhood, raised many voices. Iqbals was moving forwards and every coming day led his poetic perfection

یہ علامہ اقبال کی شاعری کی چوتھی کتاب ان منظومات اور غزلیات پر مشتمل ہے جو مختلف جرائد میں شائع ہو چکی تھیں یا خاص مواقع پر پڑھیں گئی تھیں۔ ان پر سعدی شیرازی، نظیری نیشاپوری، عرفی شیرازی؛، بیدل دہلوی، انیسی شاملو اور میرزا غالب کی فارسی شاعری کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں اور کہیں کہیں اقبال کے پورے پورے بند فارسی زبان میں ہیں۔ اسی فارسیت کی وجہ سے بانگ درا کے دیباچہ نگار سر عبدالقادر نے اقبال کو غالب کا بروز قرار دیا تھا۔ آج جب ہم بوجوہ فارسی کو ترک کر چکے ہیں تو کئی اقبال شناس اقبال کی فارسی شاعری اور شعریت پر معذرت خواہ ہیں۔ اقبال بنیادی طور پر ایک فارسی شاعر ہیں اور اس میں ہمیں کسی طرح کا شک نہیں ہے کہ ان کا پہلا اردو شعری مجموعہ بانگ درا ان کی تین فارسی کتب کی اشاعت کے بعد منصۂ شہود پر آیا تھا۔ بانگ درا کی اشاعت دراصل آپ کا فارسی سے اردو کی جانب وقتی جھکاؤ کی غماز ہے جس میں آپ نے ان لوگوں سے مخاطب ہونے کی کوشش کی ہے جو فارسی نہیں سمجھ پاتے تھے۔ فارسی دان طبقے کو معاشرے کے مہذب حلقے میں شمار کیا جاتا تھا اور اردو کو اس وقت کی عامیانہ زبان تصور کیا جاتا تھا۔

بانگ درا میں بے شمار محاسن ہیں مثلاً اس میں شامل غزلیات گل و بلبل اور لب و رخسار کے ذکر سے ماورا ہیں اور اس میں طویل نظموں کو متعارف کروایا گیا ہے جن میں سے کچھ نظمیں مختلف غزلیات کو ایک سلسلہ

میں پیوستہ کرتی ہیں۔ نظیری اور عرفی کییہ بحور اردو میں اقبال نے اس انداز میں متعارف کروائیں کہ ان اشعار کو نئے مفاہیم عطا کئے۔

اقبال کے شعری ارتقاء کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ بانگ درا کی پہلی نظم ہمالہ ہے۔ اقبال اسے لکھنے کے بعد اسے چھاپے سے گریزاں تھے۔ کیا اس کی وجوہات فکر کی پختگی سے تعلق رکھتی تھیں یا اس کی وجہ آپ کا اس کی زبان یا بیان پر عدم اعتماد تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے مگر ایک بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس دور میں امبال اپنی شعری میں بار اصلاح کر رہے تھے۔ اس کا شان نزول اور مسلسل اصلاح کا ذکر ہمیں بانگ درا میں سر عبد القادر کی زبانی اسی کتاب کے دیباچے میں ملتا ہے۔

> "شیخ محمد اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے ایک جلسے میں اپنی وہ نظم جس میں کوہِ ہمالہ سے خطاب ہے پڑھ کر سنائی۔ اس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں۔ اس پر خوبییہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاقِ زمانہ اور ضرورتِ وقت کے موافق ہونے کے سبب بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے۔ مگر شیخ صاحب یہ عذر کرکے کہ ابھی نظرِ ثانی کی ضرورت ہے، اسے اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اس وقت چھپنے نہ پائی۔ اس بات کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میں نے ادبِ اردو کی ترقی کے لئے رسالہ ''مخزن'' جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس اثناء میں شیخ محمد اقبال سے میری دوستانہ ملاقات پیدا ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ لیا کہ اس رسالے کے حصہء نظم کے لئے وہ نئے رنگ کی نظمیں مجھے دیا کریں گے۔ پہلا رسالہ شائع ہونے کو تھا کہ میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کوئی نظم مانگی انہوں نے کہا ابھی کوئی نظم تیار نہیں۔ میں نے کہا ہمالہ والی نظم دے دیجیے اور دوسرے مہینے کے لیے کوئی اور لکھیے۔ انہوں نے اس نظم کے دینے میں پس و پیش کی کیوں کہ انہیں یہ خیال تھا کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں، مگر میں دیکھ چکا تھا کہ وہ بہت مقبول ہوئی، اس لیے میں نے زبردستی وہ نظم ان سے لے لی اور

مخزن کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں جو اپریل 1901 میں نکلا، شائع کر دی"1۔

اس کتاب کا آغاز آپ کی اسی نظم ہمالہ2 سے ہوتا ہے۔ وہ ہمالہ کو ایک کردار کے طور پر سامنے لاتے ہیں جو بولتا تو نہیں لیکن خاموشی سے امبال کی بات ضرور سنتا ہے اور اس کوہسار سے سوال کرتے ہیں۔ اسے حطاب کرتے ہوئے آپ تخلیق آدم سے لے کر برصغیر میں انسان کی اس میں ابتدائی آبادکاری سے لے کر اس کے آریائی اقوام کے مسکن بننے تک کی تمام داستان بیان کرتے ہیں۔

اے ہمالہ داستاں اس وقت کی کوئی سنا
مسکن آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اس سیدھی سادھی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازۂ رنگ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

یہ کتاب اقبال کی شاعری کے ارتقاء کی جہتوں کا تعین بھی کرتی ہے۔ اقبال کی اردو شاعری کا پہلا دور 1905ء تک کی شاعری پر مشتمل ہے۔ ابھی آپ انگلستان نہیں گئے تھے۔ اس میں آپ کی انگریزی سے ترجمہ شدہ بچوں کے لیے خوبصورت نظمیں اور حب الوطنی کے حوالے سے مشہور "ترانۂ ہندی" شامل ہے، جسے بھارت میں غیر سرکاری قومی ترانے کی حیثیت حاصل ہے اور اسے ابھی تک فوجی دھنوں پر گایا جاتا ہے۔ آفتاب ہندومت کے مشہور اشلوک گایتری کا آزاد ترجمہ ہے۔ گایتری منتر کو اہل ہنود رگ وید کی روح سمجھتے ہیں ۔ عالم نزع میں اس منتر کا جاپ کیا جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ اس منتر کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنسکرت میں لفظ سوتر استعمال کیا گیا ہے جس کے لیے اردو لفظ نہ ملنے کے باعث ہم نے لفظ آفتاب رکھا ہے۔ اس حصے میں عہد طفلی، شمع و شاعر، ابر کوہسار، خفتگان خاک سے استفسار، عشق اور موت، انسان اور بزم قدرتاور مرزا غالب نہایت اعلی پائے کی نظمیں ہیں۔ اس میں اکثر مقامات پر سوال کرتے ہوئے پائے جاتے

[1] شیخ عبدالقادر۔ دیباچہ بالگ درا۔ ص ی

[2] علامہ محمد اقبال۔ ہمالہ۔ بانگ درا۔ ص5

ہیں۔ غالب پر لکھتے وقت آپ نے میرزا کی فارسی آمیز اردو زبان ہی استعمال کی ہے۔ آپ یہاں اردو زبان کی بے بضاعتی کا برملا اظہار کرتے ہیں اور اس میں بے شمار فارسی تراکیب کو آزادانہ طور پو استعمال کرتے ہیں۔ دہلی شہر سے ہمکلام ہوتے ہیں اور اس کے اجڑنے کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں حالی کے مرثیے کی یاد دلاتے ہیں۔ آپ دہلی سے سوال کرتے ہوئے فرماتے ہیں3۔

گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیر شانہ ہے
شمعیہ سودائِ دل سوزیِ پروانہ ہے
اے جہان آباد! اے گہوارۂ عِلم و ہُنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ذرّے ذرّے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟

اقبال نے اس حصے میں شامل نظموں میں بانگ درا کی اشاعت سے پہلے بہت سی تبدیلیاں کی تھیں اور مکمل نظر ثانی کے بعد ہی انہیں اپنی اس کتاب میں شامل کیا تھا۔

دوسرا حصہ 1905ء سے 1908ء کے درمیان کے عرصے میں لکھی گئی نظموں پر مشتمل ہے جب اقبال انگلستان اور جرمنی میں تعلیم کی غرض سے مقیم تھے۔ علامہ نے اس دور میں مغرب کی علمیت و عقلیت کی تعریف کی ہے مگر وہاں کی مادہ پرستی اور روحانیت کے فقدان کا جائزہ لیتے ہوئے اس پر کڑی تنقید کی ہے۔ اقبال اسلام کی آفاقی اقدار کے مطالعے کی جانب مائل ہوئے اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا ادراک کرنے کے بعد امت مسلمہ کی بیداری کے لئے اشعار کہے۔ اس دور کی ایک نظم مارچ 1907 ہے اے میں تہذیب فرنگ کے خود اپنے ہاتھوں خودکشی کرنے اور نئے دور کی طرف شارات ہیں۔ اس میں بہتسی پیشین گوئیاں ہیں۔ جو کچھ یورپ میں پہلی جنگ عظیم میں پیش آیا اس کی جانب دقیق اشارات بھی ملتے ہیں۔

[3] علامہ محمد اقبال۔ مرزا غالب۔ بانگ درا۔ حصہ اول 1908 سے پہلے ــــ کلیات اردو اقبال۔ اقبال اکادمی لاہور 1994 ص 10

"عاشق ہرجائی"4 ہے اس میں آپ کے اس عہد کی کیفیات نہاں ہیں۔ آپ اپنے ارد گرد تضادات کا احساس کرتے ہوتے مشرق و مغرب کے مابین ایک راستہ بنانے ی کوشش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہے عجب مجموعۂ اضداد اے اقبالؔ تو
رونقِ ہنگامۂ محفل بھی ہے، تنہا بھی ہے
تیرے ہنگاموں سے اے دیوانۂ رنگیں نوا
زینتِ گُلشن بھی ہے، آرائشِ صحرا بھی ہے
ہم نشیں تاروں کا ہے تُو رفعتِ پرواز سے
اے زمیں فرسا، قدم تیرا فلک پیما بھی ہے
عین شغلِ مے میں پیشانی ہے تیری سجدہ ریز
کچھ ترے مسلک میں رنگِ مشربِ مینا بھی ہے
مثلِ بُوئے گُل لباسِ رنگ سے عُریاں ہے تو
ہے تو حکمت آفریں، لیکن تجھے سَودا بھی ہے

یہ نظم اپنے اندر فارسی شاعری کے رندانہ اسالیب کو سموئے ہوئے ہے ار اس میں جوانی کہ عہد کی حرارت اور گرمجوشی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اس خوبصورت نظم میں بھی کئی سوالات پوشیدہ ہیں اور ان سے کا جواب آپ اپنے اس فارسی شعر کی صورت میں دیتے ہیں۔

در بیابانِ طلب پیوستہ می کوشیم ما
موجِ بحریم و شکستِ خویش بر دوشیم ما

ترجمہ: طلب کے بیابان میں ہم ہمیشہ سے سر پیر مارتے ہوئے کوشش کر رہے ہیں،

ہم سمندر کی ایک موج ہیں اور اپنی شکست کو اپنے کندھے پر اٹھائے چل رہے ہیں۔

[4] علامہ محمد اقبال۔ مرزا غالب۔ بانگ درا۔ حصہ دوم 1905 سے 1908 — کلیات اردو اقبال۔ اقبال اکادمی لاہور 1994 ص128-130

"در بیابانِ طلب" کی اصطلاح ہمیں بارہا صائب تبریزی کے کلام میں ملتی ہے۔ یہاں بیدل کا رنگ غالب ہے۔ اور بعد کے زمانے میں اقبال نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے اسرار خودی میں فن سخن کے محاسن کے ضمن میں لکھا5 ہے۔

هر چه باشد خوب و زیبا و جمیل
در بیابان طلب ما را دلیل

ترجمہ: ھر وہ چیز جو خوب، زیبا اور جمیل ہے، وہ بیابان طلب میں ہماری دلیل ہے۔

گلشن راز جدید6 میں کہتے ہیں۔

منه پا در بیابان طلب ست
نخستین گیر آن عالم که در تست

ترجمہ: بیابانِ طلب میں اپنے پاؤں کو رکھتے وقت سستی مت دکھاؤ،
سب سے پہلے اس جہان کو حاصل کرو جو آپ کے اندر چھپا ہوا ہے۔

جاوید نامہ کے کائنات کے روحانی سفر میں آپ کا پہلا پڑاؤ فلک قمر پر ہوتا ہے اور آپ فرماتے 7 ہیں۔

این زمین و آسمان ملک خداست
این مه و پروین همه میراث ماست
اندرین ره هر چه آید در نظر
با نگاه محرمی او را نگر
چون غریبان در دیار خود مرو
ای ز خود گم اندکی بیباک شو
این و آن حکم ترا بر دل زند

[5] ۔ گنجور اقبال لاھوری » اسرار خودی » بخش ۱۰ - در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ

[6] اقبال لاھوری » زبور عجم » بخش ۱۳۸ - گلشن راز جدید۔ گنجور

[7]

گر تو گوئی این مکن آن کن ،کند
نیست عالم جز بتان چشم و گوش
اینکہ ھر فردای او میرد چو دوش
در بیابان طلب دیوانہ شو
یعنی ابراھیم این بتخانہ شو

ترجمہ: یہ زمیناور آسمان، اللہ کی ملکیت ہیں، جس پر اسی کی حکمرانی ہے،
اس کے نائب ہونے کے ناطے سے یہ ماہ وپروینسب کچھ ھماری میراثہیں۔
جو کچھ بھی آپ کو دکھائی دے اسے محرمانہ نظر سے دیکھیں،
اجنبیوں کی طرح اپنے دیار سے مت گزر جاؤ،
اے کہ تم اپنی ہستی کو کھو چکے ہو تھوڑے سے بے باک ہو باؤ۔
اس جہاں میں جو کوئی بھی ہے، وہ تمہارا فرماں بردار ہے،
اسے تم جو بھی کہو گے وہ کرے گا اور جس سے روکو گے وہ رک جائے گا۔
یہ جہان ان بتوں کا مسکن ہس جنہیں تم دیکھ سکتے ہو اور (ان کی آواز کو) سن سکتے ہو۔
بیابان طلب میں دیوانے ہو جاؤ،
اور ابراہیم کی طرح اس بتخانے کو توڑ دو۔

اس دور کی صرف سات غزلیات ہی کتاب میں شامل ہیں۔ ان میں کہیں کہیں فارسی روایت کا رنگ جھلکتا ہے باوجدیکہ آپ نے ان میں کسی فارسی شعر سے نہ ہی تضمین کی ہے اور نہ ہی اپنا کوئی شعر فارسی میں نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں8۔

کس قدر اے مے! تجھے رسمِ حجاب آئی پسند
پردۂ انگور سے نکلی تو میناؤں میں تھی

پردہ انگور کی ترکیب بہت دلپذیر ہے اور کلاسیک شعراء نے اسے بڑی مہارت سے استعمال کیا ہے۔ سید ای نسفک کہتے ہیں۔

[8] -علامہ محمد اقبال۔ مرزا غالب۔ بانگ درا۔ حصہ دوم 1905 سے 1908 —کلیات اردو اقبال۔ اقبال اکادمی لاہور 1994 ص148

دوش با شیرین لبان در پردہ می گفتم سخن
پردہ زنبوریِ من پردہ انگور بو د9

ترجمہ: کل میں شیریں لب (حسیناؤں) سے پردے میں رہ کر یستگو کر رہا تھا، شہد کی مکھیوں کے چھتے کا پردہ دراصل انگور کا پردہ تھا۔

اسی طرح پردہ مینا کی ترکیب کو بھی صائب تبریزي اپنے اشعار میں متعدد بار بروئے کار لائے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

برآر از پردہ مینا شراب آشارو را
خلاصی دہ مرا زین عالم بیگانہ ای ساقی10

ترجمہ: اس جانے پہچانے چہرے والی شراب سے مینا (صراحی) کا پردہ اٹھادو، اس بیگانگی کے جہان سے اے ساقی! مجھف رہائے دلوادو۔

اسی طرح حضرت بیدل دہلوی فرماتے ہیں۔11

معنیم از شوخی اظہار آخر لفظ توست
بسکہ رنگ بادہ‌ام بی‌پردۂ مینا شدم

ترجمہ: تیرا ہی لفظ بالآخر شوخی اظہار سے میرا معنی بن جاتا ہے، بس اتنی سی بات ہے کی میں شراب کے رنگ میں رنگا ہوا ہوا ہوں اور مینا (صراحی) کے پردے سے باہر نکل آیا ہوں۔

اب 1908ء سے 1923ء کے درمیانی عرصے میں اقبال کی شاعری میں بتدریج پختگی آتی چلی گئی ہے اور فارسی شعری تضمین کے علاوہ، شکوہ، جواب شکوہ، ترانہ ملی، طلوع اسلام اور خضر راہ جیسی نظموں کا تعلق اسی دور سے ہے۔ آپ نے اس عہد میں مسلمانوں کو اپنے عظیم ماضی کییاد دلائی ہے اور تمام تر سرحدوں سے بالا تر ہو کر ان سے اخوت و بھائی چارے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کا آغاز "بلاد اسلامیہ" نامی نظم سے ہوتا ہے جس میں

[9] گنجور سیدای نسفی » دیوان اشعار » غزلیات » شمارۂ ۲۱۹
[10] صائب تبریزی » دیوان اشعار » غزلیات » غزل شمارۂ ۶۷۷۵ گنجور
[11] گنجور بیدل دھلوی » غزلیات » غزل شمارۂ ۲۰۹۳

اقبال نے دہلی، بغداد، قرطبہ قسطنطنیہ اور مدینۃ المنورہ کے بارے میں اشعار کہے ہیں۔ یہ وہی عظیم شہر ہیں جو ماضی میں عظیم اسلامی خلافتوں اور سلطنتوں کے مراکز رہے ہیں۔ نرق صاف ظاہر ہے اور وہ یہ کہ اقبال کے ہاں مسلم امہ کا تصور ابھرتا ہے، اس کے مقامات کو آپ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کے نشانات دکھائی دیتے ہیں۔ آپ دہلی کی بابت فرماتے ہیں12۔

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ محفل کی یاد
جل چُکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

باقی کے شہروں کے ذکر میں بھی ایک جذب کی کیفیت ہے اور ان چند اشعار میں تاریخ اسلام کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ مرنج منورہ کے ضمن میں آپ کا یہ شعر بہت اہم ہے۔

آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تُو، ماویٰ ہے تُو
نُقطۂ جاذب تاثّر کی شعاعوں کا ہے تُو

بانگ درا تجسس سے بھرپور ہے۔ اکثر مقامات پر اقبال سوال کرتے ہیں۔ مثلاً خضر راہ13 میں آپ پوچھتے ہیں۔

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

علامہ اقبال نے یہ نظم انجمن حمایت اسلام کے ستائیسویں سالانہ جلسے منعقدہ 16 اپریل 1922 میں نے ترنم سے انتہائی رقت آمیز انداز میں پڑھ کر سنائی۔ بیس ہزار کا افراد کا مجمع بے اختیار رو رہا تھا اور اقبال پڑھتے پڑھتے بار بار رک جاتے کیونکہ مسلسل رونے کی وجہ سے ہر شعر کے بعد گریہ گلوگیر ہو جاتا تھا۔ جب یہ نظم لکھی گئی تو یہ زمانہ مسلمانوں کے لیے انتہائی نکبت و ادبار کا زمانہ تھا۔ جنگ عظیم مسلمانوں کے لیے دنیا بھر میں تباہیاور مصیبت لائی تھی۔ سلطنت عثمانیہ بکھر چکی تھی، دنیائے عرب کے ٹکڑے ہو چکے تھے، بیت المقدس پر صلیبی پرچم لہرا رہے تھے، دمشق اور بغداد پر غیر قابض تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت انتہائی المناک تھی

[12] علامہ محمد اقبال۔ بلاد اسلامیہ۔ بانگ درا ص-156 155 -

[13] علامہ محمد اقبال۔ خضر راہ۔ بانگ درا۔ ص288-302

تحریک ہجرت کی ناکامی نے انہیں انتہائی مایوسی اور رنج و غم میں مبتلا کر دیا تھا۔ جلیانوالہ باغ کے المناک سانحے نے ان کے رنج والم میں اور بھی اضافہ کر دیا14۔

اس صورت حال پر ایک طویل بحث کے بعد آپ رومی کے ایک شعر کو کچھ رد و بدل سے لاتے ہیں۔

گُفت رومیؔ "ہر بِنائے کُہنہ کآباداں کنند می ندانی "اوّل آں بنیاد راویراں کنند"

ترجمہ: رومی کہتا ہے کہ ہر وہ عمارت جسے از سر نو تعمیر کرنا ہو، پہلے اسے گرایا جاتا ہے

اور اس نظم کا اختتام اپنے ایک فارسی شعر پر کرتے ہیں۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار ہر زماں پیشِ نظر، 'لایُخْلِفُ المِیعَاد' دار 15

رومی کی مثنوی معنوی کا وہ تیئس سو پچاسواں شعر ہے اور مختلف ذرائع کے مطابق وہ کچھ یوں ہے۔ کچھ یوں ہے۔

هر بنای کهنه که آبادان کنند
نه که اول کهنه را ویران کنند16

ترجمہ۔ تم مسلمان ہو ہو اور اپنے دل کو آرزو سے آباد رکھو اور ہر لمحے 'لایُخْلِفُ المِیعَاد' اپنے پیش نظر رکھو۔'

یہاں پر آپ نے قرآن پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[14] قمر اقبال (بسلسلہ بانگِ درا کے سو سال) بانگ درا کی طویل نظمیں۔ ہلال اردو۔ اکتوبر 2024۔

[15] علامہ اقال، خضر راہ۔ بانگ درا

[16] مولانا » مثنوی معنوی » دفتر چهار مبخش ۹۰ - بیان آنک عمارت در ویرانیست و جمعیت در پراکندگیست و درستی در شکستگیست « و مراد در بی مرادیست و وجود در عدم است و عَلی هَذا بَقِیَّةُ الأَضْدادِ وَ الأَزْواجِ

رَبَّنَا اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ(9)17

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! بلاشک وشبہ تو اس دن سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے، بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

گورستان شاہی18 نامی طویل نظم تو بالکل غالب کے انداز میں فارسیت میں ڈوبی ہوئی ہے اور اگر کسی قاری کو فارسی کی شدبد نہ ہو وہ اسے پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر ہو گا۔ مندرجہ ذیل اشعار پر غور کریں۔

باطنِ ہر ذرّۂ عالم سراپا درد ہے
اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے
ابر کے روزن سے وہ بالائے بامِ آسماں
ناظرِ عالم ہے نجمِ سبز فامِ آسماں
خواب گہ شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا
دیدۂ عبرت! خراجِ اشکِ گلگُوں کر ادا
اس زیاں خانے میں کوئی ملّتِ گردُوں وقار
رہ نہیں سکتی ابد تک بارِ دوشِ روزگار

اقبال کی نظم نصیحت19 کے آخر میں آپ حافظ شیرازی کا شعر لاتے ہیں جو یوں ہے۔

عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشان است
حالیا غُلغُلہ در گنبدِ افلاک اندا ز20

ترجمہ: آخر کار ہم نے قبرستان ہی میں جانا ہے، اس وقت آپ کو اسمانوں کس گنبد تلے شور و غوغا کرنا چاہئے۔

17 القرآن۔ سورہ آل عمران۔ آیت 11

18 علامہ محمد اقبال۔ بلاد اسلامیہ۔ بانگ دراص-160-165

19 علامہ محمد اقبال۔ نصیحت۔ بانگ دراص-195

20 گنجور حافظ » غزلیات۔ غزل شمارہ ۲۶۴

اسی طرح اقبال نے اور طویل نظمیں بھی خاص موقع محل کی مناسبت سے کہی تھیں۔

خطاب بہ جوانانِ اسلام میں آپ نے دیوان حافظ کی تیسری غزل کے دوسرے مصرع پر گرہ لگائی ہے، جہاں آپ فرماتے ہیں۔

سماں 'الفُقُرَ و فَخرِیٔ' کا رہا شانِ امارت میں
"بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت رُوے زیبارا"

لسان الغیب خواجہ حافظ شیر ازي کے بقول

ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مُستَغنی است
بہ آب ورنگ وخال وخط چہ حاجت رویِ زیبارا21

ترجمہ: ہمارے نامکمل عشق کی ہمارے محبوب کا حسن بے پرواہے، ظاہری چمک دمک، رنگت، تل، خط کی ایک خوبصورت چہرے کو کیا ضرورت ہے۔

اس نظم کا اختتام آپ نے ملا طاہر غنی کشمیری کے دیوان کی پہلے شعر کے مقطع پر کیا ہے۔

"غنیؔ! روزِ سیاہِ پیر کنعاں را تماشا کُن
کہ نُورِ دیدہ اش روشن کُند چشمِ زلیخارا"

تدجمہ: اے غنی! پیر کنعان (حضرت یعقوب ع) کی سایہ روزی (تقدیر کی مشکل) کا بغائر مشاہدہ کیجئے، کہ جن کی اینائی چھن گئی مگر اس نے زلیخا کے گھر کو روشن کر دیا۔

یہی شعر ہمیں غنی کے دیوان میں یوں ملتا ہے۔

غنیؔ! روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کُن
کہروشن کرد نُورِ دیدہ اش چشمِ زلیخا را22

اسی غزل کا مطلع ہے

[21] گنجور ۳ شمارۂ غزلیاتغزل » حافظ «

[22] دیوان غنی۔ بترتیب جدید محمد امین داراب کشمیری۔ ملا محمد طاہر غنی کشمیری۔ مقدمہ تصحیح و حواشی از علی جواد زیدی۔ جموۂ کشمیر اکیڈمی اف آرٹس کلچر اینڈ لینگویجز۔ سرینگر۔ جنوری 1964۔ ص58

جنونی کو کہ از قید خرد بیروں کشم پا را
کنم زنجیر پای خویشتن دامان صحرا را

ترجمہ: وہ جنون کہاں ہے کہ جس کی مدد سے میں اپنا پاؤں عقل کی قید سے آزاد کر کے اپنے پاؤں کی زنجیر صحرا (کی ویرانیوں اور وسعتوں) کو بنا سکوں۔

آپ کی اگلی طویل نظم شمع و شاعر (فروری ۱۹۱۲ء) ہے۔ اس کے شروع میں شاعر فارسی میں گویا ہوتا ہے۔

دوش می گُفتم بہ شمعِ منزلِ ویرانِ خویش
گیسوے تو از پرِ پروانہ دارد شانہ اے
در جہاں مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ستم
نے نصیبِ محفلے نے قسمتِ کاشانہ اے
مدّتے مانندِ تو من ہم نفَس می سوختم
در طوافِ شعلہ ام بالے نہ زد پروانہ اے
می تپد صد جلوہ در جانِ اَمل فرسُودِ من
بر نمی خیزد ازیں محفل دلِ دیوانہ اے
از کُجا ایں آتشِ عالم فروز اندوختی
کرمکِ بے مایہ را سوزِ کلیم آموختی

ترجمہ: کل رات میں اپنے ویران گھر میں جلنے والی شمع سے یہ کہہ رہا تھا کہ تیری زلفوں پر کنگھی کرنے کے لئے پروانے کے پر کام آتے ہیں۔

میری حالت اس دنیا میں بیابان میں کھلنے والے لالہ کے چراغ جیسی ہے جسے روشن کرنے کے لئے نہ کوئی محفل میسر آتی ہے اور نہ ہی کوئی گھر۔

ایک مدت تک میں بھی تیری طرح اپنی سانسوں کو جلاتا رہا لیکن میرے شعلے کے ارد گرد کسی پروانے نے چکر نہیں لگایا۔

میرے آرزوؤں امر حسرتوں کی ماری جان میں سیکڑوں جلوے تڑپ رہے ہیں لیکن اس محفل سے تو ایک بھی دیوانہ دلِ عاشق نہیں اٹھ رہا۔

تو نے کہاں سے یہ دنیا کو روشن کرنے والی آگ حاصل کر لی اور ایک معمولی سے کیڑے کو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی سی عشق کی تڑپ سکھا دی

اب یوں محسوس ہو رہا تھی کہ آپ فارسی کی جانب مایل ہو رہے تھے اور یہی رنگ ہمیں پیام مشرق کی منظومات میں دکھائی دیتا ہے۔

جواب شکوہ میں آپ اردو میں اشعار کہتے ہوئے اچانک بیچ میں یہ فارسی شعر لے آتے ہیں۔

خود گدازی نمِ کیفیّتِ صہبایش بود
خالی از خویش شُدن صورتِ مینایش بود[23]

ترجمہ: اپنے آپ کو دوسروں کی غمخواری میں پگھلا دینا، اس کی شراب کی خاصیت تھی اور اپنے آپ کو خالیکر دینا اس صراحی کا کام تھا۔

کئی اور مقامات پر اپنے سوالات کا جواب آپگذشتہ عہد کے فارسی شعراء کے کلام سے پاتے ہیں۔ بعد میں بال جبریل میں یہ رنگ ہمیں پیر رومی اور مرید ہندی میں دکھائی دیتا ہے۔ بانگ درا کی ایک نظم ہے۔ عرفی اس کے آخر میں آپ فرماتے ہیں۔

کسی کا شعلۂ فریاد ہو ظلمت رُبا کیوں کر؟
گراں ہے شب پرستوں پر سحر کی آسماں تابی
صدا تربت سے آئی "شکوۂ اہلِ جہاں کم گو
"نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حُدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی"

ترجمہ شعر عرفی۔

اگر نغمے کا ذوق کم ہو تو اپنے گیت میں تلخی کے عنصر کو بڑھاوادے دو اور اگر محمل کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگے تو حدی کو تیز تیز گانا شروع کر دو۔

[23] -علامہ محمد اقبال۔۔جواب شکوہ۔ بانگ درا ص-160

عرفی کے اس شعر کو اقبال نے بار اپنے اشعار میں باندھا ہے۔ عرفی شیرازی کا یہ شعر اس کے چھپنویں قصیدے 24 میں بون بیان کیا جاتا ہے۔

نوارا ، تندتر میزن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیزتر میخوان چو محمل را گران بینی

دراصل اس شعر سے پہلے دو اشعار کو پڑھے بغیر اس شعر کو سمجھنا محال ہے جو یوں ہیں۔

مخاطب گر نباشد مستمع خامش مشو عرفی
کہ ھست او ھرچہ ھست اما تو در معنی زیان بینی
سخنور را خموشی نقش خود میدان خطا باشد
کہ خاموشی بلبل را زیان مھرگان بینی

ترجمہ: اے عرفی اگر تمہارا مخاطب سننا نہ بھی چاہے، تو پھر بھی خاموش نہ ہو،
وہ جو کوئی اور جیسا بھی ہے (رہنے دے لیکن تیرے چپ رہنے سے) معنی میں نقصان ہو جائے گا۔
ایک شاعر کے لئے خاموشی ایسا میدان ہے اس میں وہ ہار جاتا ہے،
کیونکہ بلبل کی خاموشی سے جشن مہرگان کی رونق برباد ہو باتی ہے۔25

مضامین اور تنوع کو دیکھا جائے تو ہمیں پیام مشرق اور بانگ درا میں کئی مماثلتیں دکھائی دیتی ہیں کیونکہ ان کا دور ایک ہی ہے اور وقت کے تقاضے بھی یکساں ہیں۔ دونوں کے آخر میں ظریفانہ کلام ہے اور ان دنوں اگر آپ اکبر الہ آبادی کی اقبال سے ہونے والی خط و کتابت کو پڑھ لیں تو اس کی وجہ بھی سمجھ میں آجائے

« شمارۂ ۵۶ - تجدید مطلع۔ گنجور عرفی » قصیدہ ھا[24]

جشن مہرگان ایران کا ایک قدیم جشن ہے جو موسم خزاں کے آغاز میں منایا جاتا ہے یہ ایرانی ماہ مہر میں منایا جاتا ہے۔ جشن[25] مھرگان بھی جشن نوروز کی طرح اپنے خاص آداب ورسوم کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس کا فلسفہ در حقیقت اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے اور نیز ہمیں انسان دوستی کا سبق دیتا ہے۔

11 نوعبر 2024 https://iqbalforum.org/ur/articles/39/ اقبال فورم اردو آرٹیکل 39

گی۔26 مکالمہ ان دونون کتب پیام مشرق اور بانگ درا میں ملتا ہے اور دونوں میں مانولوگ یا خود کلامی بھی پائی جاتی ہے۔ دونوں میں مظاہر فطرت اور وقت کو آپ قوت گویائی عطا کرتے ہیں اور خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ دونوں میں خوبصورت غزلیات موجود ہیں آپ ان دونوں کتب میں خدا سے ہمکلام ہوتے ہیں اور تخلیق و تسخیر فطرت کی بات بھی کرتے ہیں۔ پیام مشرق کا کرم کتابی اور بانگ درا کا مکڑا اور مکھی کے کردار عجیب یکسانیت کے حامل ہیں۔ ہاں اگر فرق ہے تو وہ فارسی اور اردو زبانوں کی روح میں فرو کی وجہ ہے۔

اقبال نے اپنی منظومات میں پچپن فیصد تک تبدیلیاں کر دی تھیں۔ اگر اقبال کا موچی دروازے میں 1913ء میں سنائے گئے جواب شکوہ کے اصل متن کو دیکھیں تو یہاں تک پہنچتے ہوئے وہ بہت حد تک تبدیل ہو چکا تھا۔ اگر عبد الرزاق اقبال کی منظومات کو حیدرآباد دکن سے خود ہی شائع نہ کر دیتے تو شاید اقبال اس مجموعے کو شائع کرنے میں متامل ہوتے۔

ان کی دیگر کتب کسی مقصد کے تحت لکھی گئی تھیں۔ اسرار و رموز میں مثنوی کا تسلسل ہے۔ پیام مشرق گوئٹے کے مغربی دیوان کا جواب ہے۔ زبور عجم ایک دیوان کی غیر روایتی صورت ہے۔ یہی حال بال جبریل کا ہے۔ ضرب کلیم ایک سیاسی منشور اور روحانی و ثقافتی ارشادات پر مبنی ہے۔ جاوید نامہ اور مسافر و پس چہ باید کرد میں مثنوی کا تسلسل ہے۔

تنوع بانگ درا میں ہے یا ارمغان حجاز میں۔ ثانی الذکر آپ کی وفات کے بعد مجتمع ہوئی۔

بانگ درا وہ واحد کتاب ہے جس میں بے پناہ تنوع اور ارتقاء ہے۔ اس کی غزلیات میں فارسیت جھلکتی ہے اور طمطراق ہے۔ شکوہ اور جواب شکوہ واسوخت کی شکلیں ہیں۔ کسی حد تک ان کا پیشرو مسدس حالی کو کہہ سکتے ہیں۔ خضر راہ ایک آفاقی نظم ہے اور خضر کی زبان سے کیونکہ اقبال نے گرامی کے اعتراض کے ناموں میں کہا تھا کہ اس میں اگر میں شاعری کے اسالیب کو مد نظر رکھتا تو پھر عرفی کا اسلوب اختیار کر لیتا لیکن میں نے اس نظم میں خضر کی شخصیت کو مد نظر رکھا ہے۔ اردو تراجم مخزن کے ایڈیٹر کے ایماء پر کئے گئے۔ کہیں آزاد ترجمے ہیں اور کہیں کچھ بند حذف کر دیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد انگریزی با مقصد اخلاقیات کے ادب کو اردو زبان میں متعارف کروانا تھا۔ ترانہ ہندی اور ترانہ ملی کا تقابل 1904ء سے 1910ء کے درمیانی چھ برس میں ہونے والے اقبال کے فکری ارتقاء کا شاہد ہو سکتا ہے اور اس دور میں آپ برطانیہ اور جرمنی میں مقیم رہے تھے۔

وحید الزمان طارق۔ اکبر بنام اقبال: اک کتاب ایک تجزیہ۔ الحمراء۔ جلد 24 شمارہ 10۔ اکتوبر 2024۔ ص 52-55[26]

بندہ ناچیز نے اس کتاب کو نظر انداز کئے رکھا اور اقبال کی شاعری میں اسے سب سے آخر میں پڑھا تو معلوم ہوا کہ بانگ درا کا دور تجسس، تغییر اور مسلسل ذہنی بالیدگی کا دور تھا۔

"والدہ مرحومہ کی یاد میں"[27] نامی نظم کو پڑھیں تو یوں لگتا ہے کہ اپنے تمام تر شعری محاسن کے باوجود اقبال موت کے فلسفہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں مگر جابجا رک رہے ہیں۔

آہ یہ دنیا یہ ماتم خانۂ برنا و پیر
آدمی ہے کس طلسم دوش و فردا میں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزاں ہے موت

اور فرماتے ہیں

آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے

ارمغان حجاز کے اردو حصہ میں سر راس مسعود کی وفات پر لکھی گئی اپنی نظم[28] میں وہ اسے انتہائی کامیابی سے بیان کرنے کی قدرت پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں اور اس کا جواب بھی پیش کر دیتے ہیں۔

ہوا جو خاک سے پیدا ہوا ہے خاک میں مستور
یہ غیبت صغریٰ ہے یا فنا کیا ہے

ور پھر اس جواب خود آخری شعر میں دیتے ہیں جو فارسی میں ہے۔

خود آگہاں کہ ازیں خاک داں بروں جَستند
طلسم مہر و سپہر و ستارہ بشکستند

ترجمہ: وہ خودشناس لوگ جو اپنے آپ کو سمجھ کر اس جہان کی حدود کے اس پار پرواز کر گئے،

[27] علامہ محمد اقبال۔ والدہ مرحومہ کی یاد میں۔ بانگ درا۔ 149۔ حصہ سوم سے 1908 ــــ کلیات اردو اقبال۔ اقبال اکادمی لاہور 1994ص 252-267

[28] علامہ محمد اقبال۔ مسعود کی باد میں۔ ارمغان حجاز۔

انہوں نے سورج، آسمان اور ستاروں کا طلسم توڑ دیا۔

گویا جو سوالات آپ نے بانگ درا میں اٹھائے ہیں، ان کے جوابات اقبال پر بتدریج منکشف ہوئے ہیں۔

اس دور میں علامہ اقبال کے کئی قریبی ساتھیوں مثلاً سر فضل حسین، سر عبد القادر اور نواب ذوالفقار علی خان شمیت بہت سے لوگ حکومت برطانیہ کی ہندوستانی حکومت کے قریب ہو رہے تھے یہ اہم سرکاری عہدوں کے حصول میں کوشاں تھے۔ اقبال ان کو نصیحت کدتے ہوئے ایک بار پھر اپنی نظم" قرب سلطان"29 میں نصیحت کرتے ہوئے مرشد شیراز یعنی حافظ کے اس شعر کو اپنی نظم کی سند قرار دیتے ہیں۔ اس کے آخری تین اشعار یوں ہیں۔

شریک بزم امیر و وزیر و سلطاں ہو
لڑا کے توڑ دے سنگ ہوس سے شیشہء ہوش
پیام مرشد شیراز بھي مگر سن لے
کہ ہے یہ سر نہاں خانۂ ضمیر سروش
"محل نور تجلي ست راے انور شاہ
چو قرب او طلبي درصفاے نیت کوش"30

ترجمہ: اگرچہ بادشاہ کی روشن رائے تجلیات کس نور کا سرچشمہ ہے، لیکن جب تم ان کا قرب پانے کی کوشش کرو تو نیت کی صفائی کو ہمیشی ملحوظ خاطر رکھو۔

اس کتاب پر بھی فارسی اثرات نمایاں ہیں۔ آپ مختلف سوالات کا حل قرون وسطی کے شعراء کے فارسی کلام سے تلاش کرتے ہیں اور انہیں نئے معنی عطا کرتے ہیں۔ کہیں حالی اور سعدی کا مکالمہ کروا دیتے اور کہیں وہ اپنے مطالب کو واضح کرنے کے لئے قارئین کا رابطہ عہد گزشتہ سے کروا دیتے ہیں۔ یہی وہ اسلوب ہے

29 علامہ محمد اقبال۔ قرب سلطان۔ بانگ درا۔ 149۔ حصہ سوم سے 1908 —کلیات اردو اقبال۔ اقبال اکادمی لاہور 1994 ص233-234-

30 گنجور حافظ » غزلیات » غزل شمارہ ۲۸۳

جسے آپ پیام مشرق میں بھی اپنا چکے تھے اور اس کی اعلیٰ ترین مثال رومی اور گوئٹے کا مکالمہ ہے اسی طرح آپپیام مشرق کے حصے "خرابات فرنگ" میں شامل نظم "شعرا" کے ضمن میں بائرن، برو ننگ، غالب اور رومی کو ایک دوسرے کے سامنے لائے تھے اور اس کی بنیاد میر زا غالب 31 کا ایک شعر تھا32۔

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم

ترجمہ: تا کہ شراب زیادہ کڑوی ہو جائے اور سینہ ژادہ زخمی،
میں ہیرے کو پگھلا کر پیلے میں ڈال رہا ہوں۔

اسی طرح "تضمین بر شعر صائب" 33 آپ کی ایک مختصر سی نظم ہے جس میں اس کے پہلے دو اشعار قابل غور ہیں۔ آپ اس کے پہلے شعر میں اپنے آپ سے اپنا نام لے کر پوچھتے ہیں۔

کہاں اقبال تو نے آ بنایا آشیاں اپنا
نوا اس باغ میں بلبل کو ہے سامانِ رسوائی

پھر اپنی اس تصوراتی قیام گاہ کی یوں وضاحت فرماتے ہیں۔

کلی زورِ نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی
جہاں ہر شے ہو محرومِ تقاضائے خود افزائی

اس نظم کے آخر میں وہ اپنے تجسس بھرے سوال کا جواب صائب تبریزی کے اس شعر سے پاتے ہیں۔

ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد
ندارد تنگ نائے شہر تابِ حُسنِ صحرائی34

[31] « گنجور شمارۂ ۲۵۸ غالب دهلوی » دیوان اشعار » غزلیات شمارۂ ۲۵۸

[32] اقبال لاهوری » پیام مشرق » خرابات فرنگ بخش ۲۷۹ – شعرا۔ گنجور

[33] علامہ محمد اقبال۔ تضمین بر شعر صائب۔ بانگ درا۔ 149۔ حصہ سوم سے 1908 — کلیات اردو اقبال۔ اقبال اکادمی لاہور 1994 ص 275

[34] گنجور صائب تبریزی » دیوان اشعار » غزلیات » غزل شمارۂ ۶۷۸۷

ترجمہ: بہتر تو یہی ہے کہ لیلیٰ بیابان میں رہ کر ہی اپنا جلوہ دکھائے کیونکہ شہر کی تنگ جگہ یعنی تنگ دل لوگ صحرائی حسن کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

یعنی صائب کے اس خیال کی شرح اقبال یوں کرتے ہیں کہ ایک تنگ نظر قوم کے لیے کسی زندہ قوم کے لئے گائے جانے والے نغمے بے معنی اور بے اثر ہوتے ہیں۔

اب ایک شعر کے ذریعے سے اقبال خود کو وسیع تر فارسی شعری روایت سے منسلک کر لیتے ہیں کیونکہ ایک تسلسل سے اے کے تکنے بانے ماظی سے جڑتے ہیں۔ اسی غزل کے مقطع میں صائب اپنا تعلق سعدی شیرازی سے جوڑ لیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

درین ایام شد ختم سخن بر خامہ صائب
مسلم بود اگر زین پیش بر سعدی شکرخایی

ترجمہ۔ اس زمانے میں شاعری کی انتہا صائب پہ ہوئی ہے،
اگرچہ پرانے زمانے میں اپنی شیریں زبانی اور قادرالکلامی کی وجہ سے سعدی شیرازی مسلمہ طور پر سب سے بہتر شاعر تھے۔

اقبال سعدی سے بھی بے حد متاثر تھے یہ چیز فردوس میں ایک مکالمہ میں اور کھل کر سامنے آتی دکھائی دیتی ہے۔ اقبال اپنی اردو کتاب بانگ درا میں بھی کسی خالصتا اردو شاعر کو بیچ میں نہیں لاتے بلکہ وہ خود کو فارسی گو شعراء کی مجلس میں لے آتے ہیں۔ الطاف حسین حالی نے حیات سعدی لکھی تھی اور دونوں شخصیات کو اپنے اپنے دور اور علاقے میں اخلاقیات کا ترجمان سمجھا جاتا رہا ہے۔ دونوں کی غزلیات میں سادگی اور پاکیزگی ہے۔ اقبال اپنی نظم "فردوس میں ایک مکالمہ" میں دونوں جو جنت میں ایک دوسرے کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ سعدی شیرازی مسلمانوں کے درد سے واقف ہیں اور انہوں نے ہندوستان کا سفر بھی کیا تھا۔ اب وہ مسلمانان ہند کی حالت زار کے بارے میں حالی سے پوچھتے ہیں[35]۔

ہاتِف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز

[35] علامہ محمد اقبال فردوس میں ایک مکالمہ - بانگ درا۔ حصہ سوم سے 1908 — کلیات اردو اقبال۔ اقبال اکادمی پاکستان لاہور 1994 ص276

حالیؔ سے مخاطب ہوئے یوں سعدیِؔ شیراز

ایک بار پھر اقبال ایک فارسی شاعر کے رنگ میں غرق ہو کر فارسی میں کہتے ہیں۔

اے آنکہ ز نورِ گُہرِ نظمِ فلک تاب
!دامن بہ چراغِ مہ و اختر زدہ ای باز

ترجمہ: اے کہ وہ آپ وہ شخصیت ہیں جن کی نظموں کے ہیرے کے نور سے آسمان روشن ہے،
آپ نے چاند اور ستارے کے چراغ پر اپنا دامن پھیلا دیا ہے۔

اب وہ اپنے مخصوص انداز میں حالی کی زبانی یہ سوال کرتے ہیں۔

کچھ کیفیتِ مسلمِ ہندی تو بیاں کر
واماندۂ منزل ہے کہ مصروفِ تگ و تاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں؟
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمیِ آواز

اس کے جواب میں حالی وضاحت کرتے ہوئے سعدی کے شعر پر ہی اپنی بات کا خاتمہ کرتے ہیں۔

"خُرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم"36

ترجمہ: جو کانٹا ہم نے بویا ہے اس کے نتیجے میں ہم کھجور تو نہیں کھا سکتے،
اور جو اون ہم نے کاتی ہی ہے اس سے دیبا تو بنی نہیں جا سکتی۔

دیبا سے مراد رنگین اور دبیز قسم کا قیمتی ریشمی کپڑا ہوتا ہے جس پر سنہرا یا پیلا اُبھرا ہوا کام بنا ہوتا ہے۔

« گنجور سعدی » دیوان سعدی۔ مواعظ » غزلیات غزل شمارۂ ۴۷[36]
خرما نتوان خوردن از این خار کہ کشتیم دیبا نتوان کردن از این پشم کہ رشتیم

اسی طرح کے مکالمات ہمیں پیام مشرق میں ملتے ہیں مثلا جلال و گوتہ اور شعرا وغیرہ میں۔ یہی مکالماتی انداز بالآخر جاوید نامہ کا روپ دھار لیتا ہے۔

اقبال کا یہی اسلوب "مذہب: تضمین بر شعر میر زا بیدلؔ" نامی نظم میں بہت جاندار ہو کر نظر آتا ہے37۔

تعلیمِ پیرِ فلسفۂ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستیِ غائب کی ہے تلاش
پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
ہے شیخ بھی مثالِ بَرہمن صنَم تراش
محسوس پر بِنا ہے علومِ جدید کی
اس دَور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام، وہ ہے اک جنُونِ خام
ہے جس سے آدمی کے تخیّل کو انتعاش
کہتا مگر ہے فلسفۂ زندگی کچھ اور
مجھ پر کِیا یہ مُرشدِ کامل نے راز فاش
"باہر کمال اندکی آشفتگی خوش است
ہر چند عقلِ کُل شدہ ای بے جُنوں مباش"

ترجمہ۔ ہر کمال کے ساتھ تھوڑی بہت پریشانی اور تردد بھی اچھا ہوتا ہے۔

ہر چند تم عقل کل کے مالک ہو لیکن اس کے باوجود جنون یعنی دیوانگی کے بغیر جینا نہیں چاہیے۔

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین کے بقول اقبال نے بیدل کے زیر تضمین شعر میں تصرف کیا ہے-بیدل کا شعر اس طرح ہے38۔

[37] علامہ محمد اقبال۔۔ بانگِ درا۔ مذہب۔ تضمین بر شعر میر زا بیدلؔ۔ حصہ سوم 1908 کے بعد۔ مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)۔ اقبال اکادمی پاکستان۔ لاہور 1994: ص:277

[38] ڈاکٹر بصیرہ عنبرین۔ اقبال کی تضمیناتِ بیدل۔ مرآۃ العارفین: نومبر 2017

باہر کمالت اند کے دیوانگی خوش است
گیرم کہ عقل کل شدہ ای بے جنوں مباش39

یہ غزل ہماری نظر سے گذری ہے اور اس کا مطلع انتہائی با معنی ہے۔

بایار خودنمای کارگاہ چند و چون مباش
در خانہ ای کہ سقف نداردستون مباش

ترجمہ: ایسے دوست کا ساتھ مت دو جو اعداد و شمار اور کیفیت کے کارخانے میں اپنی خود نمائی میں مگن رہتا ہے،

وہ گھر جس پر چھت نہ ہو اس کا ستون مت بننا

بیدل کے اشعار پر اقبال نے کئی مواقع پر تضمین کی ہے۔ نظم ' "نالہء فراق" اقبال نے اپنے استاد محترم آرنلڈ کییاد میں انگلستان واپس چلے جانے پر لکھی۔ اس میں بیدل کے دو اشعار شامل کئے ہیں۔

تاز آغوش وداعش داغِ حیرت چیدہ است
ہمچو شمع کشتہ در چشمم نگہ خوابیدہ است40

ترجمہ: چونکہ اس کے وداع (چلے جانے) کی آغوش سے اس نے حیرت کا داغ سمیٹ لیا ہے،
کسی مری ہوئی شمع کی طرح میری نظر میری آنکھ میں سو گئی ہے۔

اس سے اگلا شعر اقبال پر صادق آتا ہے کیونکہ وہ کچھ ہی عرصہ بعد خود بھی عازم انگلستان ہو گئے۔

باکمال الفت از صحرای وحشت می‌رسم
چون سواد چشم آھو سایہ‌ام رم دیدہ است41

ترجمہ: میں تیرے وفور محبت سے اس وحشت کے صحرا سے (تیرے پاس) آن پہنچوں گا،

[39]: کلیاتِ ابوالمعانی میرزا بیدل اول، دپوہنی وزارت۔ دپوہنی مطبع کابل۔ اسد 1341 ص745

[40]: علامہ محمد اقبال۔ نالہ فراق۔ بانگِ درا۔ حصہ اول 1905 سے پہلے۔ مشمولہ کلیاتِ اقبال (اردو)۔ اقبال اکادمی پاکستان۔ لاہور: ص:74

[41] « گنجور بیدل دھلوی » غزلیات غزل شمارۂ ۵۹۹

ہرن کی آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی کی طرح میرا سایہ بھی مجھ سے بھاگ نکلا ہے۔

اسی طرح

شور لیلیٰ کو کہ باز آرائشِ سودا کند
خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند[42]

ترجمہ: لیلی کہ شور کہاں ہے کہ دوبارہ دیوانگی کی تزئین و آرائش کر سکے،

مجنون کی خاک کو صحرا کی سوچ کا غبار بنا سکے۔

بیدل کی وہ غزل 43 جس کا یہ مطلع وہ بھی کمال کی ہے۔ اس کس آخری دو اشعار میں آپ نے سمندروں کو کوزوں میں بند کر دیا ہے۔

کام عیشی تر نشد از خشک مغزیھای دھر
شیشہ بگدازد مگر تا می بہ جام ما کند
بیدل اسباب جھان را حسرتت مشاطہ است
زشتی ھر چیز را نایافتن زیبا کند

ترجمہ: دہر (زمان مطلق) کے دواغ کا مغز خشک ہے اس کی وجہ سے ہماری عیش و عشرت کا منہ اندر سے گیلا نہیں ہوتا،

شاین شیشی ہی پگھل جائے اس کی وجہ سے ہمارے جام میں شراب بڑ جائے۔

اے بیدل اس جہان کے اسباب کے لئے تمہاری یہی جسرت ہے کہ مشاطہ (چہرس کی آرائش و زیبائش کرنے والی خاتون) مل جائے،

ہر بھدی چیز اس کے نہ مل سکنے کی وجہ سے خوبصورت ہو باتی ہے۔

[42] علامہ محمد اقبال۔ بانگِ درا۔ حصہ اول 1905 سے پہلے۔ ص 75

[43] https://ganjoor.net/bidel/ghazalbi/sh1408

اقبال اپنی نظم "عبد القادر کے نام" میں نئی نسل کو جو پیغام دیتے ہیں۔ اس کا خاتمہ بھی بیدل کے اس شعر پر کرتے ہیں۔

ہرچہ در دل گزرد وقفِ زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع[44]

ترجمہ: جو دل پہ گذرتی ہے، شمع اسے اپنی زبان کے لئے وقف کر دیتی ہے،
جلنا کوئی ایسا خیال تو نہیں جسے شمع نے کبھی کسی سے چھپایا ہو۔

اقبال اگر خہ اکثر مطلع پر گرہ لگا دیتے تھے لیکن ان کی اپنی نظم کے مفہوم سے واضح ہوتا تھا کہ آپ کی نظر مکمل غزل پر ہوتی تھی۔ اس نظم کا ایک شعر ہے۔

اہلِ محفل کو دِکھا دیں اثرِ صَیقلِ عشق
سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں

اب اگر آپ بیدل کا یا شعر دیکھیں تو وہی تراکیب آپ کو اقبال کے مندرجہ بالا شعر میں مل جائیں گی۔ یہ الگ بات ہے کہ مفہوم آپ نے بدل کر رکھ دیا ہے،

نشود صیقل آیینۂ این بزم چرا
اثری از نفس سوختگان دارد شمع

ترجمہ: اس محفلکا آئینہ صیقل نہیں ہوتا، بھلا کیوں؟
اپنے سانس جلانے والوں کا اثر شمع میں موجود ہوتا ہے۔

اقبال انیسی شاملو کے شعر پر تضمین کے ضمن میں بھی سوال کرتے ہیں۔

ترا اے قیس، کیونکر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی اندازِ لیلائی
نہ تخمِ لا الہ تیری ز میں شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رُسوا ہے تری فطرت کی نازائی

/عبد القادر کے نام۔ بانگ درا۔ ص 132[44]

تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے
کُنشتی ساز، معمورِ نواہائے کلیسائی

اس فارسیت میں ڈوبی ہوئی غزل کے آخر میں آپ انیسی شاملو کے اس شعر سے جواب دیتے ہیں۔

وفا آموختی از ما بکار دیگراں کردی
ربودی گوہرے از ما نثار دیگراں کردی

ترجمہ: وفا کرنے کا انداز تو آپ نے ہمیں سے سیکھا تھا لیکن اس کا فایدہ تو نے دوسروں کو پہنچا دیا، گویا تو نے ہمارا ایک موتی لوٹ کر دوسروں کی نذر کر دیا۔

ابیہ مختصر نظم مسلمانوں کے درد کی داستان ہر مشتمل ہے۔ یہاں لا الہ کا ذکر ہے جس ہمیں آپ کی بعد کی شاعری میں بات بار خطاب بہ جاوید نامہ، بال جبریل اور ضرب کلیم میں دکھائی دیتا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اس دور میں اقبال مسائل کا حل فارسی شعراء کے کلام سے تلاش کر رہے تھے اور بعد کے ادوار میں آپ نے وہی رنگ خود بھی اپنا کیا تھا۔

اسی طرح آپ کی نظم جسے با آسانی ایک مختصر نعت کہا جا سکتا ہے۔ "تضمین بر شعر ابو طالب کلیمؔ" ہے 45۔

خوب ہے تجھ کو شعارِ صاحبِ یثربؐ کا پاس
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تُو مسلم نہیں
جس سے تیرے حلقۂ خاتم میں گردُوں تھا اسیر
اے سلیماں! تیری غفلت نے گنوایا وہ نگیں

اس کا خاتمہ آپ ابو طالب کلیمؔ اس شعر پر کرتے ہیں۔

"سرکشی باہر کہ کردی رامِ او باید شدن
شعلہ ساں از ہر کجا برخاستی، آنجا نشیں"

ترجمہ: جس کے خلاف تم نے بغاوت کی ہے ایک دن اس کی اطاعت تمہیں کرنا ہو گی،

[45] تضمین بر شعر ابو طالب کلیم۔ بانگ درا۔ ص247

تم شعلے کی طرح جہاں سے بھڑک کر اوپر کو بیٹھے ہو تمہیں وہیں پر گر کر ختم ہونا ہو گا۔

اسی طرح آپ کی نظم "تہذیب حاضر: تضمین بر شعر فیضی"46 ہے۔ ہم میں سے وہ لوگ جو فیضی کے کلام سے آشنا ہیں ان کو فوری طور پر محسوس ہو جاتا کہ اقبال کا اسلوب بھی یہاں فیضی کا ہے۔ وہ اپنے بھائی ابو الفضل اور بمپ شیخ مبارک سمیت جدت پسند او اجتہادی ذہن کو مالک تھا۔

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیبِ حاضر میں
بھڑک اُٹھّا بھبُوکا بن کے مُسلم کا تنِ خاکی
کِیا ذرّے کو جگنو دے کے تابِ مُستعار اس نے
کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ فرما کی
نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی، یہ بیداری، یہ آزادی، یہ بے باکی

اقبال اپنے عہد میں تہذیبی یلغار کا ذکر کرتے ہوئے فیضی کے شعر سے روشنی پاتے ہیں او مندرجہ ذیل ہے۔

تو اے پروانہ! ایں گرمی ز شمع محفلے داری
چو من در آتشِ خود سوز اگر سوزِ دلے داری

ترجمہ: تو اے پروانے! تیری تمام تر حرارت اور روشنی کا سرچشمہ شمع محفل ہے،
میری طرح اپنی آگ میں جل، اگر تیرے اپنے دل میں سوز موجود ہے۔

اسی مفہوم کو آپ نے بال جبریل کی ایک نظم "نصیحت" میں یوں بیان کیا ہے۔

ہے شباب اپنے لہو کي آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں47

فارسیت کا سب سے اچھا نمونہ اقبال کی نظم طلوع اسلام48 ہے اس کے آخر میں پہنچیں تو آپ نظیری کے ایک مصرع پر تضمین کرتے ہوئے فارسی میں لکھنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کا خاتمہ حافظ شیرازی کے ایک شعر پر تضمین سے کر دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

[46] علامہ اقبال۔ تہذیب حاضر: تضمین بر شعر فیضی۔ بانگ درا۔ 251
[47] علامہ اقبال۔ نصیحت۔ بال جبریل

زمیں جولاں گہِ اطلس قبایانِ تتاری ہے
بیا پیدا خریدارست جانِ ناتوانے را
"پس از مدّت گذار افتاد بر ما کاروانے را"

ترجمہ۔ آیئے آپ کی اس ناتواں اور کمزور سی جان کے خریدار آن پہنچے ہیں،
ایک بڑی مدت کے بعد کہیں ہمارے پاس اکر کاروان رکا ہے

اور آپ کی مکمل طور فارسی غزل نے اسلوب کو اختیار کر لیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

بیا ساقی نوائے مرغِ زار از شاخسار آمد
بہار آمد نگار آمد، نگار آمد قرار آمد
کشید ابرِ بہاری خیمہ اندر وادی و صحرا
صدائے آبشاراں از فرازِ کوہسار آمد
سرت گردم تو ہم قانونِ پیشیں ساز دہ ساقی
کہ خیلِ نغمہ پردازاں قطار اندر قطار آمد
کنار از زاہداں برگیر و بےباکانہ ساغر کش
پس از مدّت ازیں شاخِ کہن بانگِ ہزار آمد
بہ مشتاقاں حدیثِ خواجۂؐ بدر و حنین آور
تصرّف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد
دگر شاخِ خلیلؑ از خُونِ ما نم ناک می گردد
ببازارِ محبّت نقدِ ما کامل عیار آمد
سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملّتِ ما سازگار آمد

کہ اس کا خون ہماری ملت کے درخت کی آبیاری کے لئے اس کی نشو و نما میں ساز گار ثابت ہوا ہے۔
ترجمہ۔ آیئے کہ ہم پھولوں کی پتیاں بکھیرتی اور اپنے کام میں شراب ڈال لیں،

---

[48] علامہ اقبال۔ طلوع اسلام۔ بانگ درا۔ ص303-310

آسمان کے چھت جو پھاڑ دیں اور ایک نئے انقلاب کی بنیاد رکھ دیں
اے ساقی، اس پریشان حال پرندے کی آواز شاخسار سے آرہی ہے،
بہار ان پہنچی ہے، محبوب آگیا ہے، جس کی آمد سے قرار آگیا ہے۔
بہار کے بادل نے وادی اور وحرا پر اپنا خیمہ لگا دیا ہے۔
آبشار کے پانی کے گرنے کی آواز پہاڑ کی بلندی سے آنے لگی ہے۔
اے ساقی، تیرے قربان جاؤں تو بھی پرانے قانون کا چوبارہ اجراء کر دے،
کہ گیت گانے والے گویوں کے گروہ در گروہ پرے باندھ کر قطار در قطار آن پہنچے ہیں۔
ان نیک لوگوں کو یعنی زاہدوں سے تعلق توڑ لے،
اور بیباک انداز سے شراب پی
کیونکہ ایک طویل مدت کے بعد اس پرانی
شاخ سے بلبل کے نغمے کی آواز آئی ہے۔
جو مشتاق لوگ ہیں ان کے حضور بدر و حنین کے کے خواجہ آنحضورص کی حدیثیعنی سیرت کے واقعات بیان کر،
آپ ص کے نگاہوں سے اوجھل معجزات اور کرشمات میری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گئے ہیں۔
اس طرح سے ممکن ہے کی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی شاخ ہمارے خون سے تر ہو جائے
ہماری نقدی کو بازار محبت میں رکھا گیا ہے تو وہ اعلی ترین معیار کے مطابق خالص اور ارزشمند ثابت ہوئی ہے۔
شہید کی قبر پر لالے کے پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہا ہوں
اب اقبال حافظ شیرازی کے اس مشہور شعر پر اس نظم کا اتنی کرتے ہیں۔

"بیا تا گُل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ دیگر اندازیم"

انگریزی منظومات کے تراجم میں سادگی اور شستگی اور بیساختہ پن ہے۔ یہ انداز اقبال کے ہاں کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کا خیال تھا کہ بچوں کو ان مفاہیم کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ لوگ انہیں اکثر اقبال کی اپنی شاعری ہی سمجھتے رہے ہیں۔ اقبال نے ان منظومات کا انتخاب کیا جو اس وقت انگریزوں کے سکولوں میں پڑھیں

اور گائی جاتی تھیں۔لب پہ آتی ہے دعا یا جسے عام طور بچے کی دعا بھی کہا جاتا ہے، اس کا اغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔یہ میٹلڈا بیتھم کی عشہور نظم کا ترجمہ ہے۔49

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

علامہ اقبال نے اس صورت میں یہ نظم 1902ء میں لکھی۔یہ نظم جماعت بچپن میں اکثر پاکستان میں اور بھارت کے بہت سے علاقوں میں صبح اسمبلی میں پڑھی جاتی رہی ہے۔ہم پہلی بار اقبال سے اسے نظم کے توسط سے متعارف ہوئے تھے۔یہ نظم زبانیاد ہوا کرتی تھی۔اقبال پر یہ اعتراض حال ہی میں سامنے آیا ہے کہ وہ شاعر کم اور مترجم زیادہ ہیں۔وہ دور کے تقاضوں کو نہیں سمجھ پاتے کہ اسوقت ان تراجم کا مقصد واضح تھا اور یہ تراجم اپنی مقبولیت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ہیر رانجھا فارسی میں لکھی گئی اور پھر پنجابی میں۔ترجمے کی اپنی اہمیت ہوتی جب کہ ایک شاعر اشعار کے سانچے میں اولین مفہوم کو تازگی عطا کر کے اسے مقامی کیفیات سے روشناس کروا سکے۔

[49] Matilda Betham-Edwards.Hymn for a Little Child.The Song Book of the Salvation Army #838
https://hymnary.org/text/god_make_my_life_a_little_light_within2024نومبر10